رجسٹرڈ نمبر
ا ے ۹۲۲
ٹیلیفون نمبر ۲۹
تار کا پتہ
"انجمن"
علی گڈھ

انجمن ترقی اردو ہند
کا
ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

قیمت سالانہ
تین روپیہ
ایک روپیہ
دو آنہ
تاریخ اشاعت
۱۔۸۔۱۵۔۲۲

ایڈیٹر :- آل احمد سرور

جلد ۱۵ | علیگڈھ - ۸ دسمبر ۱۹۵۶ ع | شمارہ ۲۲

رفتار

خلیل الرحمن اعظمی

پچھلے دنوں ہماری اردو تنقید میں ایک لفظ کا استعمال بڑی فراخ دلی سے کیا گیا ہے۔ وہ لفظ ہے "جمود"۔ ادب کی تاریخ میں کبھی کبھی ایسے لمحات ضرور آتے ہیں جب ایک رجحان بڑے زور و شور سے شروع ہوتا ہے اور چند سالوں تک اس کی چہل پہل رہتی ہے اور اس چہل پہل میں ہمیں بہت سی تازہ اور نئی تخلیقات مل جاتی ہیں لیکن تازہ چیز بھی کچھ دنوں کے بعد باسی ہو ہی جاتی ہے تو پھر لوگ اس سے اُوب جاتے ہیں اور کسی خوب تر کی جستجو شروع ہونے لگتی ہے۔ اس جستجو کے بیچ میں جو موڑ آتا ہے اس موڑ پر تھوڑا سا وقفہ اور نئے راستے پر چلنے کے لئے سوچ بچار ایک فطری عمل ہے۔ یہی فطری عمل ۱۹۵۱ء اور ۱۹۵۲ء کے قریب ہمارے یہاں رونما ہوا تو بہت سے لوگوں نے بوکھلاہٹ میں ادب کی موت ہی کا اعلان کر دیا حالانکہ بات صرف اتنی تھی کہ بیٹھی آگے چلیں گے دم لے کر۔ دم لے کر آگے بڑھنے میں کئی فائدے ہیں۔ آدمی تازہ دم تو ہو ہی جاتا ہے۔ اسے پچھلے سفر پر ایک تنقیدی نظر ڈالنے اور اپنی پرانی چال کو تھوڑا سا کسوٹی پر کسنا بھی آجاتا ہے اور یہ بھی کہ کیا آگے کا سفر اسی نوعیت کا ہوگا یا اس میں کچھ اور کٹھنے کوس ہیں۔ تقسیم ہند کے بعد کچھ دنوں تک تو ہمارے ادیبوں کے سامنے یہی سوال رہا کہ ۱۹۴۷ء کے بعد جو آزادی ملی ہے وہ لعنت ہے یا برکت۔ کیونکہ نئے نظام کے آتے ہی آگ اور خون کی جو ہولی کھیلی گئی تھی وہ واقعی دل ہلا دینے والی چیز تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ جب یہ طوفان تھم گیا اور ہندو پاکستان دونوں اپنے اپنے گھروں کو سنبھالنے اور اپنے اپنے چمن کی آبیاری کی طرف متوجہ ہوئے تو ہمارے ادیبوں نے بھی تھوڑا سا اطمینان کا سانس لیا اور بڑے ضبط و توازن کے ساتھ اپنی تخلیقی قوتوں کو کھنگالنا شروع کیا۔ کہاں لوگوں کا رونا تھا کہ ع شاعری مرچکی اب زندہ نہ ہوگی یارو۔ اور کہاں یہ حال کہ پچھلے دو سال کے اندر کچھ نہیں تو پچاس کے قریب اردو میں صرف شعری مجموعے شائع ہوئے۔ ان کی ایک ناکمل فہرست یہاں درج کی جاتی ہے۔

۱۔ آتش گل — جگر
۲۔ چشم جواں — نقشی
۳۔ شب نگار بیداں — عابد علی عابد
۴۔ نقش جمیل — جمیل مظہری
۵۔ جوئے رواں — حامد اللہ افسر
۶۔ حرف تمنا — میکش اکبرآبادی
۷۔ گفتنی و ناگفتنی — شورش کاشمیری
۸۔ محراب غزل — روش صدیقی
۹۔ آتش کدہ — ڈاکٹر تاثیر مرحوم
۱۰۔ شاخ گل — الطاف مشہدی
۱۱۔ جاوداں — جاں نثار اختر
۱۲۔ ذوق جنوں — آل احمد سرور
۱۳۔ شعلۂ نوا — اجتبیٰ رضوی
۱۴۔ ایران میں اجنبی — ن۔ م۔ راشد
۱۵۔ سویدا — قیوم نظر
۱۶۔ منزل شب — مختار صدیقی
۱۷۔ سر شام — ضیا جالندھری
۱۸۔ چاند نگر — ابن انشا
۱۹۔ دو نیم — ڈاکٹر مسعود حسین
۲۰۔ برگ نے — ناصر کاظمی
۲۱۔ کاغذی پیرہن — خلیل الرحمن اعظمی
۲۲۔ عظمت آدم — ظہیر کاشمیری
۲۳۔ نیم سوز — صدیقی کلیم
۲۴۔ میری نظمیں — بلراج کومل
۲۵۔ دل رسوا — اختر انصاری اکبرآبادی
۲۶۔ برگ سبز — ابو مسلم صحافی
۲۷۔ ساز و صدف — عدم
۲۸۔ قاشیں — نریش کمار شاد
۲۹۔ صبح زنداں — حسن شہیر
۳۰۔ انگاروں کے گیت —
۳۱۔ نقش حیات — شفق گو پیاری
۳۲۔ گری بازار — تاجور سامری

۳۳۔ شازیہ احمد ظہیرآبادی ۳۸۔ بوستان روس (روسی نظموں کے منظوم ترجمے) [illegible]
۳۴۔ آگ میں پھول حمایت علی شاعر ۳۹۔ جل ترنگ قتیل شفائی
خام مہندر چندر نقش ۴۰۔ پرچھائیاں ساحر لدھیانوی
۳۶۔ نکہت دنور سلام سندیلوی ۴۱۔ زنداں نامہ فیض احمد فیض

ان شعراء میں بعض تو بہت پرانے ہیں، ان کے مجموعے اس زمانے میں اس لئے شائع ہوئے کہ جب شعری تخلیق کی رفتار سست پڑ گئی اور لوگوں کو ذہنی غذا کی مشکل ہو گئی تو یہ کسی کی رکھی ہوئی کام آئی آڑے کے دن۔ پر عمل کیا گیا یعنی پچھلے دور میں جن شعرا کے کارنامے صرف رسالوں کے صفحات میں دفن کر دئے گئے تھے انہیں اکٹھا کر کے نئے لباس میں پیش کیا گیا اور بازار میں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا گیا شاید پرانی ہونے کی وجہ سے یہ شرابیں زیادہ نشہ آور اور باکیف ہو گئی ہیں۔ مثلاً عابد علی عابد، جمیل مظہری، روش صدیقی، میکش اکبرآبادی، ڈاکٹر تاثیر مرحوم۔ بعض لوگ ایسے ہیں جن کے کئی مجموعے پہلے بھی چھپ چکے ہیں اور وہ زمانے کے سرد و گرم سے بے نیاز برابر لکھتے رہتے ہیں۔ مثلاً فنش۔ مخدوم، قتیل شفائی، نریش کمار شاد وغیرہ۔ ان شعرا کے قد و قامت اور ادبی مرتبے سے قطع نظر ایک بات سب میں مشترک ہے کہ ان کے کلام میں زیادہ پیچ و خم، واضح تبدیلیاں اور نئے نئے موڑ نہیں ہیں۔ ایک پرسکون دریا کی سی روانی اور شیریں چشمے کی سی ترنم گنگناہٹ ان شعرا کے مخصوص مزاج کی علامت ہے۔ بعض ایسے ہیں جو نئے پیکر میں ڈھل کر آئے ہیں مثلاً شعلۂ طور کے جگر اور آتش گل کے جگر میں بہت واضح فرق ہے۔ اسی طرح سلسبیل کے آل احمد سرور اور ذوق جنوں کے آل احمد سرور میں بہت فاصلہ اور ایک پوری نسل کا درمیانی وقفہ ہے۔ راشد اور فیض پچھلی نسل کے شاعروں میں خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ اس لئے کہ ۱۹۳۶ء کے قریب جو نوجوان شعرا ابھرے تھے ان میں سے اکثر ایک خاص منزل پر پہنچنے کے بعد تھک کر بیٹھ گئے۔ بعض اس لئے کہ ان کی شاعری عنفوان شباب کے چند ہیجانات کی مرہون منت تھی۔ چالیس سال کی عمر تک ان ہیجانات کے سرد ہونے کے شاعری کی آگ بھی بجھ گئی۔ بعض صحافتی اور محض سیاسی شاعری کی بھینٹ چڑھ گئے۔ یہ سیلاب اترا تو اب ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کریں۔ اپنے شاعرانہ مزاج کو جس سانچے میں ڈھالا تھا وہ دوسری قسم کی شاعری کے لئے ناموزوں ہے اس لئے وہ بے بس ہیں۔ راشد اور فیض قطع نظر اس کے کہ دونوں اپنے معتقدات کے اعتبار سے دو مختلف رجحانات کی نمائندگی کرتے ہیں۔ دونوں کی ذہنی بنیاد کافی مضبوط ہے اس لئے ان کا ذہنی سرمایہ ختم نہیں ہوتا بلکہ اس میں اور بالیدگی آئے گی۔ "ایران میں اجنبی" میں راشد کا فن یقیناً ایک قدم آگے ہے۔ اسی طرح فیض نے "نقش فریادی" سے "دست صبا" اور "زنداں نامہ" تک بہت *

جامعہ اُردو علی گڑھ

(۳)

جامعہ کے سنٹر:۔ جامعہ کے امتحانوں کے سنٹر ہندیونین کے سب صوبوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ شمال میں اگر آپ کو کشمیر دیکھوں میں اس کے سنٹر ملیں گے تو دکن میں میسور میں بھی اس کا سنٹر ہے۔ اسی طرح پورب میں کلکتہ اور پچھم میں دہلی تک اس کے سنٹروں کا جال پھیلا ہوا ہے۔ اور ہر سال سیکڑوں درخواستیں نئے نئے سنٹر جاری کرنے کے واسطے آتی ہیں۔ اس سلسلے میں کارکنان جامعہ بڑی احتیاط سے کام لے رہے ہیں۔ اور اب نئے سنٹر زیادہ تر ہائی اسکولوں اور انٹر کالجوں ہی میں ان کے پرنسپلوں کی زیر نگرانی کھولے جا رہے ہیں۔ اور خیال ہے کہ اس پالیسی پر سختی سے عمل درآمد کیا جائے۔

باوجود بہت سی درخواستیں مسترد کر دینے کے امسال سنٹروں کی تعداد تقریباً سوا سو کے قریب ہے اس سلسلے میں جامعہ کو اعدد دال پبلک سے کچھ شکایات رہا ہیں اور وہ یہ ہیں کہ بہت سے قومی اداروں کے کارکن ہماری مشکلات میں ہمارا ہاتھ نہیں بٹاتے۔ لیکن رفتہ رفتہ اب یہ شکایات رفع ہونا شروع ہو گئی ہیں جس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ارکان جامعہ اس سے بددل نہیں ہوئے ہیں اور اپنی دھن میں مصروف ہیں۔

جامعہ کی عام پالیسی بھی عام طور پر پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ جامعہ کو سیاسیات سے دور کا بھی لگاؤ نہیں ہے اور اس کی پالیسی خاموشی کے ساتھ ہمدردوں کی خدمت کرنا ہے اس پالیسی کی بدولت اس کے سرپرستوں اور کارکنوں میں ہر خیال کے لوگ ملتے ہیں۔

جامعہ کی مالیات:۔ جامعہ کی مالیات اور اس کے ذرائع آمدنی کے سلسلے میں کئی باتیں نہایت اہم ہیں جن میں سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ وہ کسی سے ایک حبہ تک چندہ نہیں مانگتی ہے۔ اس کے کارکنان نے برسہا برس اعزازی طور پر خلوص کے ساتھ اس کی خدمات انجام دی ہیں اور اب بھی ایسا ہی کر رہے ہیں۔ (بقیہ صفحہ ۱۲ پر)

---

* سی منزلیں دریافت کی ہیں اور اس کی آواز میں ایک نیا جادو جاگتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔

کچھ شاعر ایسے ہیں جو پہلی بار اپنی شاعرانہ فن کو پیش کر رہے ہیں ان کی حیثیت نئی کونپلوں کی سی ہے۔ ان کے امکانات پر بات چیت اگلی صحبت میں ہو گی۔

ہماری زبان

۸ر دسمبر ۱۹۵۶ء

ایشیائی ادیبوں کی کانفرنس

۲۳ر دسمبر سے ۲۸ر دسمبر تک دہلی میں ایشیائی ادیبوں کی ایک کانفرنس ہو رہی ہے۔ اس کی تیاریاں کئی مہینے سے ہو رہی ہیں اور امید ہے کہ ایشیائی ادیبوں کا یہ اجتماع ایک نمائندہ اور تاریخی اجتماع ہوگا۔ صدیوں کی کس مپرسی پستی اور غلامی کے بعد ایشیا بیدار ہو رہا ہے اور ہر ایشیائی ملک میں زندگی کے نظام کو اپنی ضروریات کے مطابق ڈھالنے، عوام کے معیار زندگی کو بہتر بنانے اور بیرونی سامراج کے اقتدار سے مکمل طور پر آزاد ہونے کی کوشش ہو رہی ہے۔ ادیب اس مبارک مقصد کے لئے بہت کچھ کرسکتے ہیں اس لئے اس کانفرنس کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں اور ہندستان کے تمام ادیبوں سے اپیل کرتے ہیں کہ اس اجتماع میں شریک ہوکر ایشیائی ادیبوں کی برادری کو مضبوط کریں۔ اس کانفرنس کے داعیوں میں ملک راج آنند، پنڈت بنارسی داس چترویدی، اور جینندر کمار جیسے ممتاز ادیب شامل ہیں اور کہا جاتا ہے کہ ہمارے وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو نے اس کانفرنس کے مقصد کو سراہا ہے اور اس کی ہر طرح ہمت افزائی کی ہے۔ کچھ حلقوں میں یہ اندیشہ ظاہر کیا جا رہا ہے کہ شاید اس کانفرنس پر کسی ایک نقطۂ نظر کا غلبہ رہے۔ لیکن داعیوں کی فہرست اور دعوت ناموں کی عمومیت کو دیکھتے ہوئے یہ اندیشہ بے بنیاد معلوم ہوتا ہے۔ ہمارا ملک اس وقت ایک تاریخی منزل سے گزر رہا ہے یہاں ایک جمہوری اور لا مذہبی ریاست کا تجربہ ہو رہا ہے۔ ہمارے پاس ماضی کی کچھ شاندار روایات ہیں اور ماضی قریب کی غلامی کے دور کی کچھ افسوسناک حقیقتیں بھی۔ ہمارے ادیبوں کو ایک ملکی و قومی نظریہ پیدا کرنا ہے اور اسے ایک عالمی تصور سے ہم آہنگ کرنا ہے اس کے لئے ضرورت ہے کہ ہم پچھلی تلخیوں اور کوتاہیوں کو بھول جائیں اور ایک دوسرے کی نیت پر شبہ کرنے میں وقت ضائع نہ کریں۔ ملک صنعتی ترقی کی شاہراہ پر قدم بڑھا چکا ہے۔ یہ خطرہ ہے کہ کہیں صنعتی دور ہمارے لطیف جذبات اعلیٰ اقدار اور تہذیبی اور اخلاقی اقدار کو پس پشت نہ ڈال دے۔ اس وقت ہندستان کے تمام ادیبوں کو مل کر اس نئے دور کی روحانی، جمالیاتی اور ذہنی پیاس بجھانی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہندستان کے ذہن کو ایشیائی بیداری سے مانوس اور عالمی رجحانات سے قریب لانا ہے۔ اردو کے ادیبوں کو اس کانفرنس میں اچھی تعداد میں شریک ہونا چاہئے، خصوصاً اس سے پہلے ہندستانی ادیبوں کی کانفرنس میں شریک ہوکر اپنی بات کہنی اور دوسرے ادیبوں کی بات سننی چاہئے تاکہ ہندستان کی مجموعی آواز میں ہماری لے بھی شامل ہو۔

مولانا ظفر علی خاں

ہندستان اور پاکستان میں جہاں جہاں اردو جاننے والے اور اردو پڑھنے والے موجود ہیں، مولانا ظفر علی خاں کی موت کا ماتم کیا جائے گا۔ مولانا نے ۸۴ سال کی عمر پائی اور ادھر کئی سال سے وہ تقریباً گوشہ نشین تھے، پھر بھی اردو کے اس آتش نفس ادیب، عظیم صحافی اور صاحب طرز شاعر کے دم کے ساتھ بہت سی روایات زندہ تھیں جو موت کے ہاتھوں ختم ہو گئیں۔ مولانا کرم آباد ضلع گوجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ انھوں نے اعلیٰ تعلیم علی گڑھ میں حاصل کی ان کے ہم عصروں میں مولانا شوکت علی، مولانا محمد علی، سید محفوظ علی، مولانا خلیل احمد، ڈاکٹر مولوی عبدالحق، شیخ عبداللہ جیسے لوگ تھے جن میں سے ہر ایک نے بعد میں اپنے اپنے دائرے میں زندگی اور ادب کی خدمت کی۔ مولانا ظفر علی خاں طالب علمی ہی میں ایسی اچھی ادبی صلاحیت اور زبان پر ایسی نمایاں قدرت رکھتے تھے کہ مولانا حالی کی زبان پر انھوں نے بعض اعتراضات کئے تھے جس پر مولانا حالی نے بجائے ناگواری کے اٹھی ان کی تعریف کی تھی۔ تعلیم ختم کرنے کے بعد وہ دکن چلے گئے جہاں انھوں نے معرکۂ مذہب و سائنس کے نام سے اسپنسر کی مشہور کتاب کا نہایت شگفتہ اور عالمانہ ترجمہ کیا۔ مولانا کی نس نس میں آزادی کا جذبہ، ملک و قوم کی خدمت کی لگن اور بیرونی سامراج کے خلاف نفرت کی چنگاری تھی۔ چنانچہ ظفر علی خاں نے بھی صحافت کے ذریعے سے ادب اور سیاست دونوں کی بڑی خدمت کی اپنے والد مولوی سراج الدین کے اخبار زمیندار کو وہ لاہور لے آئے اور اس کے مقالوں اور نظموں، اس کے نکات اور ادبی کالموں نے بہت جلد پوری اردو دنیا میں شہرت اور مقبولیت حاصل کرلی۔ مولانا کی زندگی بڑے بڑے سیاسی معرکوں میں گزری۔ انھوں نے برابر وار کئے اور وار سہے۔ پنجاب کی سیاسی اور ادبی زندگی میں

مولانا کا بڑا حصہ رہا ہے۔ مولانا نے بعض بڑے ہونہار ادیبوں کی تربیت کی اور ان کی رہنمائی میں پنجاب میں صحافیوں، ادیبوں اور شاعروں کا ایک بڑا حلقہ منظر عام پر آگیا۔ ان کی تحریر میں پسی ہوئی بجلیاں ملی ہوئی تھیں وہ بڑی پرشکوہ نثر لکھتے تھے اور زبان پر بے مثل قدرت کی وجہ سے سنگلاخ زمینوں میں اور مشکل قافیوں میں ان کا قلم انھیں کے الفاظ میں "ٹھاٹھیں مارتا ہوا چلا جاتا تھا۔ چراغ حسن حسرت نے "مردم دیدہ" میں ان کی بڑی جان دار اور شوخ و شنگ تصویر پیش کی ہے۔ بذلہ گوئی میں وہ اپنی مثال آپ تھے ان کی نظمیں بیشتر وقتی ہیں اور اسی لئے اب ان کی چمک دمک کچھ ماند پڑ گئی ہے مگر ان میں بھی جا بجا شعریت، لطیف طنز اور بے پناہ شوخی کی پھل جھڑیاں چھوٹتی ہوئی آج بھی معلوم ہوتی ہیں۔ یوں تو نثر میں ان کی کئی تصانیف اور نظم کے دو مجموعے موجود ہیں مگر گمان غالب یہ ہے کہ ابھی زمیندار اور دوسرے اخباروں کے فائلوں میں ان کے بہت سے جواہر پارے مدفون ہوں گے۔ مولانا کی نسل کے لوگ اب چند ہی رہ گئے۔ اس نسل کا زبان و ادب پر بڑا احسان ہے۔ اس نے بڑے بڑے خواب دیکھے اور زندگی کے بڑے بڑے معرکوں میں حصہ لیا۔ اس کی فتح و شکست سے زیادہ اس کی جگر تابی، اس کا حوصلہ اور ولولہ، اس کی لگن اور اس کی دھن، ہمارے لئے ایک نمونہ اور مثال ہے۔ کاش مولانا کی نظم و نثر کا ایک اچھا انتخاب شائع ہو سکتا تو ان کی عظمت اور زیادہ واضح ہو جاتی۔

مشاعرے

انجمن ترقی قریش (مالیگاؤں) کے اہتمام میں ایک بزم مشاعرہ وسط نومبر میں منعقد ہوئی جس میں مقامی شعرا کرام نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ فرمایا۔

گورنمنٹ پریس عیش باغ لکھنؤ میں آخر نومبر کو ایک شاندار مشاعرہ شری ایس این سنہا ایگزیکٹیو آفیسر کی صدارت میں ہوا مشاعرے کا شامیانہ خوبصورت تھا۔ بہت سے شعراء نے حصہ لیا۔

منگرول پیر (بمبئی) میں آخر نومبر کو ایک شادی کی تقریب میں جناب محمد ابراہیم صاحب بستی وکیل اکولہ کی صدارت میں ایک مشاعرہ منعقد ہوا جس سے سب لطف اندوز ہوئے

ایک طرحی مشاعرہ دربار ابتی دار المطالعہ جلال آباد میں منعقد ہوا جس میں مقامی اور بیرونی شعراء نے شرکت کی اور خوب خوب طبع آزمائی کی۔

سیتاپور میں آنجہانی پروفیسر گرجن لال شیدا کی یاد میں ایک طرحی مشاعرہ گیا پرشاد صاحب آنریری مجسٹریٹ کے مکان پر ہو رہا ہے اور مستقل یادگار کے لئے ایک سوسائٹی بھی بنائی گئی ہے۔

اُردو دُنیا

اردو کی بین الاقوامی اہمیت

(بحوالہ قومی آواز)

نومبر کے آخری ہفتے میں لکھنؤ یونیورسٹی کی اردو فارسی سوسائٹی کا افتتاح بیگم اعزاز رسول نے کیا اور صدارت جناب عارف نقوی نے کی۔

صدر صاحب نے فرمایا کہ نوجوانوں کے سامنے اردو کا مستقبل تاباں اور روشن ہے۔

صدارتی تقریر کے بعد اردو شعرا نے کلام سنایا۔ شہری شام شری شیو سنگھ سروج نے بھی نظم سنائی۔

بیگم اعزاز رسول نے اپنی تقریر میں کہا کہ میں صدری اس بات سے متفق ہوں کہ اردو زبان و ادب کبھی فنا نہ ہو سکیں گے۔ اردو کی بقا کا دار و مدار بہت کچھ نوجوان طبقے کی جد و جہد پر موقوف ہے۔ انھوں نے طلبہ کو مبارک باد دی کہ وہ یونیورسٹی میں اردو کا ماحول قائم کرنے میں کامیاب ہیں۔ تقریر جاری رکھتے ہوئے فرمایا کہ اردو زبان بین الاقوامی اہمیت رکھتی ہے میں نے ترکی کے سفر کے دوران ترکی زبان میں اردو لفظ استعمال ہوتے دیکھے ہیں۔

آخر میں سوسائٹی کے صدر پروفیسر احتشام حسین صاحب نے شکریہ ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ یونیورسٹی کا اردو شعبہ بغیر کسی تعصب اور تنگ دلی کے اردو کی خدمت کر رہا ہے۔

اردو والوں کا تعاون

(نئی دنیا دہلی کے حوالے سے)

مدھیہ پردیش کے وزیر خوراک مولانا طرزی نے اجین کے ایک مشاعرے کی صدارت کرتے ہوئے فرمایا۔ ہمارا ملک نئے سماج کی منصوبہ بندی سے ایک تعمیری اقدام کر رہا ہے نئے سماج میں فن کار کی عظمت کا پورا پورا لحاظ رکھا جائے گا۔ ادب تخلیق کرنے والوں کی آزردہ حالی دور ہونا چاہیے تاکہ وہ چین اور سکون سے ادب کو ترقی دے سکیں۔

آپ نے فرمایا کہ اجین اور مدھیہ بھارت کے شاعروں اور ادیبوں نے اس ریاست کے قیام میں پورا پورا تعاون کیا ہے اور آئندہ بھی ان سے بھرپور تعاون کی توقع ہے۔

ایک کتاب کی ضبطی

لاہور کی ایک اردو کتاب "کون جیتا کون ہارا" کو یوپی کی حکومت نے قابل ضبطی قرار دیا ہے۔

اردو کنونشن پٹنہ

آنرس سکریٹری بہار اسٹوڈنٹس اردو کنونشن کی اطلاع ہے کہ کنونشن ۲۹ اور ۳۰ دسمبر کو منعقد ہوگا۔ ریاست کے گوشے گوشے سے طلبہ کے خط آرہے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ استقبالیہ کے ممبر بڑی تعداد میں بن رہے ہیں۔

صدارت کے لئے پروفیسر آل احمد سرور، جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند سے درخواست کی گئی ہے۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی، جناب گوپی ناتھ امن صاحب دہلی کو دعوتی خط بھیجے جا چکے ہیں۔ ریاست اور باہر کے بہت سے شعراء اور ادیبوں کی شرکت کی توقع ہے۔

پنڈت نہرو کی سوانح عمری

پنڈت نہرو کی خود نوشت سوانح عمری "[illegible]" کا انگریزی سے اردو میں عرصہ ہوا ترجمہ ہو چکا ہے اب یہ خبر آئی ہے کہ ایران کے وزیر تعلیم نے ہندوستانی سفیر مسٹر طیب جی کو ایک خط لکھا ہے کہ اگر اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ ہو جائے تو ایرانیوں کو اس سے بہت فائدہ پہنچے گا۔

مجلس اردو

(روزنامہ [illegible] بھوپال کے حوالے سے)

سیہور (مدھیہ پردیش) میں ایک مجلس اردو قائم کی گئی ہے جس کا صدر دفتر سیہور میں اور شاخیں کل ملک میں قائم ہوں گی۔ جس کے صدر الصدور خواجہ تقی الدین سیہوری اور صدر حشمت بھوپالی ہیں۔

انجمن ترقی پسند مصنفین

انجمن ترقی پسند مصنفین علی گڑھ کا ایک جلسہ پروفیسر آل احمد سرور صاحب کی صدارت میں ۳۰ نومبر کو ہوا۔ احمد اسحاق نعمانی صاحب نے اپنا افسانہ "[illegible]" سنایا جس پر بحث ہوئی۔ جناب صدر نے فرمایا کہ "یہ ایک کامیاب افسانہ ہے"۔

ملک محمد جائسی کی یادگار

ہندی کے مشہور ادیب ملک محمد جائسی کی یادگار ان کے وطن جائس میں اسی ہفتے قائم کی جا رہی ہے۔ ملک محمد جائسی ودیالے کا سنگ بنیاد ریاست کے وزیر اعلیٰ شری سمپورنانند رکھیں گے۔

اس شاعر کی مشہور کتاب "پدماوت" ہندی ادب کا شاہکار سمجھی جاتی ہے اور یہ اصل میں اردو رسم خط میں لکھی گئی ہے اس کے بعد ناگری خط میں بھی لکھی گئی یہ شاعر چودھویں صدی میں گزرا ہے۔

ماسکو کا کتب خانہ

ماسکو میں سوویٹ یونین کا لینن کتب خانہ انتہائی مقبول ادارہ ہے۔ یہاں کوئی ایک کروڑ نوے لاکھ کتابیں، رسالے، اخبار اور قدیم نسخے موجود ہیں۔

سوویٹ یونین کے کونے کونے سے یہاں ہر روز کوئی چار ہزار نئی کتابیں وصول ہوتی ہیں۔ بیرونی ملکوں سے بھی کتابوں کے پارسل آیا کرتے ہیں۔

کتب خانے کے بین الاقوامی تعلقات وسیع ہو رہے ہیں۔ یہ کتب خانہ اب ۸۵ ملکوں کے ساتھ کتابوں کا تبادلہ کرتا ہے۔ دوسرے ملکوں کے وفد، اخبار نویس، ادیب اور سائنس داں یہاں اکثر نظر آتے ہیں۔

غالب اور اقبال

رسالہ "آج کل" میں ڈاکٹر اقبال کا ایک خط "وطن" لاہور کے حوالے سے شائع ہوا ہے۔ جس میں خواجہ حسن نظامی صاحب کی رہنمائی میں نظام الدین اولیا کی زیارت کا ذکر بھی ہے۔ اقبال ایک جگہ لکھتے ہیں۔

"شام کے قریب ہم اس قبرستان سے رخصت ہونے کو تھے کہ میر نیرنگ نے خواجہ صاحب سے کہا کہ مرزا غالب مرحوم کے مزار کی زیارت بھی ہو جائے کہ شاعروں کا حج یہی ہوتا ہے۔ خواجہ صاحب موصوف ہم کو قبرستان کے ایک ویران سے گوشے میں لے گئے جہاں وہ گنج معانی مدفون ہے۔ جس پر دہلی کی خاک ہمیشہ ناز کرے گی۔ حسن اتفاق سے اس وقت ہمارے ساتھ ایک نہایت خوش آواز لڑکا رفیق علم تھا اس ظالم نے مرزا کے مزار کے قریب بیٹھ کر

دل سے تری نگاہ جگر تک اتر گئی

کچھ ایسی خوش الحانی سے گائی کہ سب کی طبیعتیں متاثر ہو گئیں۔ بالخصوص جب اس نے یہ شعر پڑھا

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اٹھئے بس اب کہ لذت خواب سحر گئی

تو مجھ سے ضبط نہ ہو سکا۔ آنکھیں پرنم ہو گئیں اور بے اختیار لوح مزار کو بوسہ دے کر اس حسرت کدے سے رخصت ہوا۔ یہ سماں اب تک ذہن میں ہے اور جب کبھی یاد آتا ہے دل کو تڑپا جاتا ہے۔"

(اقتباس از مکتوب ڈاکٹر اقبال)

انجمن کی خبریں

دہلی — انجمن ترقی اردو ہند شاخ دہلی کی ایک مخصوص نشست مورخہ ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۶ء بروز اتوار زیر صدارت سید سجاد ظہیر صاحب منعقد ہوئی جس میں ممبران انجمن کے علاوہ دہلی کے شاعروں ادیبوں اور اردو دوست شہریوں نے شرکت فرمائی۔

پرکاش پنڈت صاحب نے اپنا افسانہ سنایا۔ افسانے کا عنوان تھا، پانچویں درویش کی سیر۔ پرکاش صاحب نے افسانہ میں ایک جگہ چمک کے کھانا استعمال کیا تھا۔ اس پر حمیدہ سلطان صاحبہ نے فرمایا اگر پرکاش صاحب اس محاورے کو بدل دیں تو اچھا ہے۔ مالک رام صاحب نے کہا ہمارے پنجاب میں یہ محاورہ اسی طرح استعمال ہوتا ہے۔ پروفیسر واقف صاحب نے فرمایا چمک کے پینا استعمال ہوتا ہے۔ چمک کے کھانا نہیں ہوتا۔ اس بحث کے بعد تقریباً سب شعراء نے اپنا اپنا کلام سنایا۔ اور سید سجاد ظہیر صاحب نے بھی اپنی ایک غزل پڑھی۔

غزل سجاد ظہیر صاحب

تجھے کیا بتائیں ہمدم اسے پوچھ مت دوبارہ
کسی اور کا نہیں تھا وہ قصور تھا ہمارا
ہے ہزار بار بہتر ترے زہد بے نمک سے
وہ گناہ روح پرور جو ہے روح کا سہارا
جنہیں زندگی سے نفرت جنہیں حسن سے عداوت
وہ خزاں میں خاک پائیں گے بہار کا اشارا
دل دردمند انساں کی امید کا نشاں ہے
وہ فضائے تیرگی میں جو ہے سرخ ایک تارا

غزل پڑھنے کے بعد سجاد ظہیر صاحب نے بتایا کہ آج میں خاص مقصد کے لئے آیا تھا۔ یوں تو ایک ادیب سے دوسرے ادیبوں کا ملنا باعث مسرت ہوتا ہے لیکن مجھے ایک اطلاع آپ تک پہنچانی ہے۔

دسمبر ۱۹۵۶ء کے آخر ہفتہ میں ایشیا کے ادیبوں کی ایک کانفرنس ہونے والی ہے۔ اس کانفرنس کا چرچا کئی مہینوں سے ہمارے ملک میں ہے۔ ہندوستان کے سبھی زبانوں کے تقریباً ڈھائی تین سو ادیبوں نے ایک بیان شائع کیا کہ ایشیا کے ذہن اور روح کے جو معیار ہیں وہ ایک جگہ جمع ہوں اور اپنی تخلیق دوسرے ممالک کے ادیبوں کے سامنے پیش کریں۔ اب ہم نے اپنی زمین پر قدم کانفرنس میں پھر کیوں نہ دوسرے ممالک کی تہذیب اور خیالات سے روشناس ہوں۔ ایشیا کے تمام ادیبوں کا ایک جگہ جمع ہونا نیک فال ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کانفرنس ایک تاریخی کانفرنس ہوگی۔

برما، جاپان، انڈونیشیا، مصر اور عرب کے سارے ممالک کے نمائندے اس میں شریک ہو رہے ہیں۔ چین کے ادیبوں کی منظوری آ گئی ہے اور کئی ملکوں کی عنقریب آنے والی ہے۔ عرب کے بہت اچھے شاعر جو شام کے ہیں یہاں موجود ہیں۔ ایران کے بہترین شاعر ان دنوں علی گڑھ آئے ہوئے ہیں۔ سوویٹ سے بھی نمائندے آئیں گے اس سلسلے میں ہماری خواہش کے مطابق ہندوستان کے ادبی مرکزوں میں، دہلی، حیدرآباد، علی گڑھ، لکھنؤ، الہ آباد، جالندھر، سری نگر وغیرہ کی استقبالیہ کمیٹیاں بنی ہیں۔ دہلی میں استقبالیہ کمیٹی کے صدر مسٹر آر۔ این۔ اگروال پریذیڈنٹ دلی میونسپل کمیٹی منتخب ہو گئے ہیں۔ پندرہ ہزار روپیہ دہلی سے جمع کرنا ہے۔ معلوم ہوا ہے کہ اگروال صاحب نے تین چار ہزار روپیہ فراہم کر لیا ہے۔ اس کی استقبالیہ ممبری کی فیس شعراء ادبا کے لئے دس روپے ہے اور عام حضرات سے پندرہ روپیہ ہے ہمارے ملک کے وزیراعظم صاحب نے بھی ہماری ہمت بڑھائی ہے۔

مولانا باقی صاحب نے فرمایا کہ جب اس کانفرنس کے بہت سے مسائل طے ہو گئے ہیں تو ہمیں تو صرف اب پندرہ ہزار روپیہ ہی جمع کرنا ہے۔ حیرت ہے کہ یہ پہلا قدم ہے مگر بہت محدود حلقے تک رکھا گیا ہے اور ابھی تک یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ اس کانفرنس کا مقصد کیا ہے۔

مالک رام صاحب نے فرمایا۔ جی ہاں۔ سجاد صاحب یہ بتائیے یہ شروع کہاں سے ہوئی ہے۔

سجاد ظہیر صاحب:۔ اصل میں حیدرآباد میں ایک کانفرنس ہوئی تھی وہیں سے یہ خیال ادبا کے دل میں پیدا ہوا کہ ایک ایشیائی کانفرنس ہو۔ کچھ لوگوں نے ایسی جامع کانفرنس کے لئے صرف تین چار سو ادیبوں کے دستخط کرائے ہیں مجھے خود بھی اس سے اختلاف ہے۔

باقی صاحب:۔ اور اس کانفرنس کے لئے غالباً صحافی حضرات کو خاص اطلاع نہیں ہے۔

سجاد ظہیر صاحب:۔ ادیب سے مراد صحافی نہیں ہے۔

باقی صاحب:۔ جناب صحافی بہترین ادیب ہے اور جرنلزم بہترین ادب ہے۔

حافظ علی بہادر صاحب۔ بہرحال ہمیں بنیادی طور پر یہ غور کرنا ہے کہ یہ کانفرنس افادی ہے یا نہیں۔

علامہ شور لکھنوی صاحب نے معلوم کیا کہ اس کانفرنس کا مقصد کوئی سیاسی تو نہیں ہے۔

سجاد ظہیر صاحب نے بتایا کہ اس کانفرنس میں ہم دوسرے ممالک کے ادیبوں سے ملیں گے۔ ان کے بہترین ادب سے روشناس ہوں گے اپنی بہترین تخلیق ان کے سامنے پیش کریں گے اور مجھے لکھنؤ والوں نے اپنا نمائندہ بنا کر مرکز میں بھیجا ہے۔

ہر ملک کا ادیب اپنے ملک کی رپورٹ پیش کرے گا ہم بھی اپنے ہندوستانی ادیبوں سے مشورہ کر رہے ہیں کہ ہندوستانی ادب کی رپورٹ کس طرح پیش کی جائے۔ چنانچہ یہی مقصد ہے آپ سے ملنے کا کہ آپ تحریری طور پر اپنے خیالات سے دفتر کو مطلع فرمائیں۔

ہم چاہتے ہیں کہ ایشیائی ادبی ترقی میں جو رکاوٹیں ہیں انھیں کس طرح دور کیا جائے، اپنے ادب کو دوسرے ملک کی زبان میں منتقل کرنے کے لئے کیا کیا سہولتیں حاصل کی جائیں۔

باقی صاحب نے پھر کہا کہ اگروال صاحب کو جو آپ نے صدر بتایا ہے ان کی ادبی حیثیت کیا ہے؟

سید سجاد ظہیر صاحب نے کہا کہ استقبالیہ کمیٹی کے صدر کی ادبی حیثیت کی ضرورت نہیں ہے۔

سردار گوردیال سنگھ صاحب نے سوال کیا کہ کیا یہ لوگ اپنی اپنی زبان میں اپنا ادب پیش کریں گے؟

سجاد صاحب نے کہا ہم کوشش کر رہے ہیں کہ ایسے مترجم بھی ہوں جو ان زبانوں کا ترجمہ کرسکیں۔

آخر میں اراکین انجمن نے طے کیا کہ اس کانفرنس کا مینی فیسٹو بھیج دیا جائے۔ اسے پڑھنے کے بعد کمیٹی اور استقبالیہ ممبری پر غور کریں گے۔

بیدر (میسور) انجمن ترقی اردو بیدر نے علاقۂ کرناٹک میں اردو کی ترقی و اشاعت کا ایک پروگرام بنایا ہے جس میں اردو اشاعت گھر کا قیام۔ سرکاری دفتروں میں اردو درخواستیں قبول کروانے کی جدوجہد، علی گڑھ میٹرک انٹر اور بی۔ اے کو سرکاری طور پر اس علاقے میں منظور کروانے کی کوشش، دارالمطالعے، شبینہ مدرسے، تعلیم بالغان اور اردو ادب میں کنڑی شاہکاروں کا ترجمہ شامل ہے۔

کرنول (آندھرا)

"سارے عالم کی زبان"

۲۸ر نومبر ۵۷ء بمقام نیو ڈیانڈس ہوٹل میں اردو کلب کرنول کی جانب سے ایک عصرانہ ترتیب دیا گیا تھا۔ کلب کے صدر جناب عبدالسبحان صاحب نے صدارت فرمائی۔

مولانا زیدی صاحب نے خوش الحانی سے تلاوت کلام پاک کی۔ جناب صدر نے معزز مہمان عزت مآب نواب مہدی نواز جنگ وزیر صحت و جنگلات کو خوش آمدید کہا اور اردو کلب کے اغراض و مقاصد اور سرگرمیوں سے متعلق ایک مختصر تقریر فرمائی۔ جناب عبدالرحمٰن خاں ناصر سکریٹری انجمن ترقی اردو کرنول نے نواب صاحب کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کیا۔ سپاسنامہ کا جواب دیتے ہوئے موصوف نے فرمایا کہ اردو زبان ایک زندہ زبان ہے۔ یوں بھی اردو، ہندی اور ہندوستانی زبانیں ایک ہی ہیں جس کو پورے ہندوستان میں ۳۰ کروڑ سے بھی زیادہ عوام بولتے اور سمجھتے ہیں۔ یہ وہ زبان ہے۔ جو نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا کے ہر حصے میں موجود ہے۔ یہ میری قیاس آرائی نہیں ہے بلکہ میرا اپنا تجربہ ہے جو مجھے دنیا کے دوسرے مقامات خصوصاً چین، جاپان، امریکہ، روس اور انگلستان میں ہوا۔ موصوف نے فرمایا کہ ہر زبان اپنے اندر شیرینی اور جاذبیت رکھتی ہے ہر ہندوستانی کا فرض ہے کہ وہ ایک زبان پر تکیہ نہ کرے بلکہ دوسری زبانیں بھی سیکھنے کی سعی کرے۔ اب تو ہندوستان کی لسانی تنظیم کی وجہ سے یہ بہت ضروری اور اہم ہے۔

غزل

ہوا ہے اہل ساحل پر اثر کیا — تجھے اے ڈوبنے والے خبر کیا
وہی ہے چشم نرگس کا تحیّر — نہیں گلشن میں کوئی دیدہ ور کیا
سفینہ کیوں تہِ گرداب آیا — تلاطم خیز موجوں کو خبر کیا
نگاہِ لطف کا ممنون ہے دل — مگر یہ پرسشِ بارِ دگر کیا
نہ جانا جس نے رازِ مرگ و ہستی — وہ کیا سمجھے کہ ہے تیری نظر کیا
ستاروں کی بھی عمریں ہوگئیں ختم — نہ ہوگا قصۂ غم مختصر کیا

سحر اپنی نہ اپنی شام اے نقش
کسی مجبور کے شام و سحر کیا

مہیش چندر نقش

موصوف نے اردو کلب سے متعلق چند اہم اور گراں قدر مشورے دئے۔ اور فرمایا کہ ہر وہ کام ترقی کی منزلیں طے کرتا ہوا آگے بڑھتا ہے جس میں سچائی اور محنت کا جذبہ کارفرما ہو۔ آخر میں کلب کے سکریٹری جناب فضل الرحیم صاحب طرار نے مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔

امرتسر (پنجاب)

جناب ہیندر پاد صاحب اطلاع دیتے ہیں امرتسر میں اردو ادب و زبان سے دلچسپی رکھنے والے دوستوں کا ایک اجتماع بمقام سیوک سماج کی بلڈنگ میں اتوار ۲۵، نومبر ۱۹۵۶ء کو شام کے چار بجے ہوا۔ جس میں انجمن ترقی اردو (ہند) کی شاخ امرتسر میں قائم کرنے کے بارے میں غور کیا گیا۔ اس سلسلے میں ایک ایڈہاک کمیٹی بنائی گئی جس کے ذمے ابتدائی تنظیم کا کام سونپا گیا ہے۔ مرکزی انجمن کی شرائط کے مطابق ممبروں کی تعداد پوری ہونے پر عنقریب امرتسر شاخ کے مرکز سے الحاق کی قرارداد پاس کی جائے گی اور مرکز کو الحاق کے لئے درخواست بھیجی جائے گی۔

حیدرآباد (آندھرا)

انجمن ترقی اردو حیدرآباد نے اپنے اجلاس منعقدہ یکم دسمبر ۱۹۵۶ء میں مولانا ظفر علی خاں کے انتقال پر حسب ذیل رزولیوشن منظور کیا ہے :۔

" مولانا ظفر علی خاں کے انتقال پر انجمن ترقی اردو حیدرآباد کے ارکان گہرے غم اور رنج کا اظہار کرتے ہیں۔ حیدرآباد کے عوام اور خواص میں مرحوم کو مختلف علمی، ذہنی اور اخلاقی صفات کی وجہ سے خاص مقبولیت حاصل تھی ان کی مقبولیت کی وجہ یہ بھی تھی کہ ان کی علمی زندگی حیدرآباد سے شروع ہوئی۔ ابتدا میں مرحوم آفس میں مولوی عزیز مرزا کی تحریک پر مترجم مقرر ہوئے وہ حسن ذوق اور سرعت کا خدمات کے ترجمہ کرنے میں ہی ماہر نہ تھے بلکہ ادبی کتابوں کا ترجمہ بھی اس خوبی سے کرتے تھے کہ وہ ترجمہ کی زبان کا ہی شاہکار معلوم ہوتا تھا۔ لارڈ کرزن کی مشرقی ادب پرشیا کا ترجمہ جو "خیابان فارس" کے عنوان سے مولانا نے کیا ہے وہ اس فن میں ان کے کمال کو دکھانے کے لئے کافی ہے۔ نثر کے ساتھ نظم کے ترجموں میں بھی حسن کی لطافت اور چاشنی قائم رکھنا انہیں کا کام تھا۔ نظم کا ترجمہ اکثر نظم ہی میں کرتے تھے ذہن نہایت رسا اور طبیعت نہایت شگفتہ پائی تھی ایک نظم میں حیدرآباد کے سیاسی مرقع کو ایسے لطیف اور دلکش پیرائے میں اتارا ہے کہ یہ نظم حیدرآباد کے بچے اور بڑے۔ چھوٹے اور بڑے سب کی زبان پر چڑھ گئی اور گلی کوچے میں اس کا چرچا ہوگیا۔ حیدرآباد کے قیام کے زمانے میں ہی ایک رسالہ دکن ریویو کے نام سے نکالا جس کے مضمون ادب اور سائنس کے میدان میں مغرب کے اعلیٰ معیار کے رسالوں سے ٹکر کھاتے تھے۔ حیدرآباد سے جانے کے بعد مرحوم نے لاہور کے اخبار روزنامہ زمیندار کو اپنی ادارت میں لیا جس نے سارے ہندوستان میں جلد مقبولیت حاصل کرلی اور پاکیزگی بیان کے علاوہ ان کی جرأت اور سیاسی تدبر کی بھی داد ملنے لگی۔ مولانا کو مذہبی شغف بھی بہت تھا۔ خوش لباس، خوش تقریر، بذلہ سنج۔ مولانا کی صحبت ہر ایک کو عزیز تھی۔ ان کے انتقال سے اردو دنیا نے ایک جید عالم۔ ایک بلندپایہ رہنما اور ایک خوش دل اور بااخلاق دوست کھو دیا۔

انجمن ترقی اردو حیدرآباد کے ارکان مرحوم کے پسماندگان کی خدمت میں اپنی گہری ہمدردی پیش کرتے ہیں اور رب العزت کی بارگاہ میں ان کی مغفرت کی دعا کرتے ہیں۔

حبیب الرحمن
(جنرل سکریٹری ریاستی شاخ حیدرآباد)

ناگور (راجستھان)

ادریہ ڈاک، ۲۸ نومبر ۱۹۵۶ء کو پنج سالہ پلان اور ترقیاتی منصوبہ کے سلسلے میں ایک طرحی مشاعرہ زیر صدارت جناب محمد حسین صاحب فاروقی سول اینڈ اسسٹنٹ جج منعقد ہوا۔ مقامی شعراء کے علاوہ ساگر صاحب اجمیری۔ مشتاق صاحب بیکانیری۔ عزیز صاحب بیکانیری۔ امجد صاحب جودھپوری اور پارس صاحب مدنانی نے شرکت فرمائی۔ مصرعہ طرح پر حسب موقع شعراء نے طبع آزمائی فرمائی اور چند گھنٹے دلچسپ نشست کے بعد شب کے ۱۱ بجے مجلس مشاعرہ ختم ہوئی۔ یہ مشاعرہ سامعین کی حاضری کے اعتبار سے بھی بے حد کامیاب رہا۔ باشندگان شہر بلا تفریق مذہب و ملت شریک مشاعرہ ہوئے۔

یکم دسمبر ۱۹۵۶ء (ندریہ ڈاک) آج انجمن ترقی اردو ناگور کا ایک وفد جو صدر انجمن وکیل رشید احمد صاحب و حافظ عبدالقیوم صاحب پرنسپل تھا، ڈائرکٹر آف ایجوکیشن راجستھان سے بمقام ناگور کے ... ملا۔ اراکین وفد کا برج پرشاد صاحب سود ضلع کلکٹر نے تعارف کروایا۔ وفد نے ضلع لائبریری میں اردو کتابوں و اخبارات و رسائل کی کمی کی شکایت کی اس بات پر خصوصی توجہ دلائی کہ حاضرین میں سے نصف تعداد اردو دوست پڑھنے والوں کی ہوتی ہے پھر بھی ان کی ضروریات کا خیال نہیں کیا جاتا اس وقت اردو کتابیں لائبریری میں صرف ۲۰۰ ہیں۔ کلکٹر صاحب نے بھی وفد کے مطالبہ کی تائید کی۔ ڈائرکٹر صاحب نے یقین دلایا کہ عنقریب یہ کمی پوری کر دی جاوے گی۔

نامہ نگار

معاصرین

اردو کی تنظیم جدید

ماہنامہ "شاعر" (بمبئی) نے اپنے شمارہ نمبر ۹-۱۰ ۱۹۵۶ء کے "جرعات" میں عنوان بالا سے ایک اداریہ لکھا ہے جس کا ایک بڑا حصہ معاصر موصوف کے شکریے کے ساتھ شائع کیا جارہا ہے۔

(ہماری زبان)

اردو والے کئی سال سے اردو کی بقا اور اس کے تحفظ کے لئے جو کوششیں کر رہے ہیں، جن نازک حالات میں اردو کے لئے کام کیا گیا اور ایک طویل لسانی بحران میں جس پامردی کا ثبوت دیا گیا وہ تاریخی ہے۔ اردو والوں کی یہ پرخلوص و پرامن سعی و کاوش رائیگاں نہیں گئی۔ اردو کی راہ میں جو فولادی دیواریں حائل ہو گئی تھیں ہم انھیں پار کرچکے ہیں۔ آج ہم ایک پرامید فضا میں سانس لے رہے ہیں، ناامیدیوں کے بادل چھٹ چکے ہیں لیکن ہمیں کسی وقت بھی یہ نہ بھولنا چاہئے کہ خطرے دور ہو چکے ہیں۔ اردو کے لئے اب بھی بے حد و بے انتہا خطرے ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے۔ ہماری سعی و کاوش کے قدم سست نہیں ہونے چاہئیں ہمارے عزم اور ولولے کو ضعف نہیں آنا چاہئے اور ہماری جدوجہد کے ماتھے کا پسینہ کسی وقت بھی خشک نہیں ہونا چاہئے ہم نے اب تک جو کچھ کیا وہ مدافعانہ (Defensive) تھا۔ ہم اردو کو بچانے لگے اور یہ بچاؤ ہم نے آئینی حدود و قیود میں رہ کر کیا ہے وقت کا تقاضا کچھ اور ہے۔ بعض زعمائے اردو کے پیش نظر صرف یوپی اور بہار ہے لیکن ہمارے سامنے پورے ہندوستان کا مسئلہ ہے ہندوستان میں بعض انتہائی دور دراز مقامات پر بھی اردو کے سوتے بہہ رہے ہیں ان سوتوں کو اگر ملا لیا جائے، ان کے بہاؤ کے رخ متعین کر دئے جائیں تو یہی ایک بحر بیکراں بن سکتے ہیں۔

"ساونت واڑی" کوکن کے ضلع رتناگری کا ایک حصہ ہے اور "گوا" کی سرحد سے ملا ہوا ہے، بمبئی سے "ساونت واڑی" کا فاصلہ کسی قدر چار سو میل سے کم نہیں۔ وہاں حال ہی میں ایک مرکزی ادارے کی سلور جوبلی میں صدارتی تقریر کرتے ہوئے صوبہ بمبئی کے مشہور لیڈر ایس۔ کے پاٹل نے فرمایا "یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ اس جماعت کے ذریعے اسکول چلانے کی کوشش جاری ہے" مدیر "شاعر" کو گزشتہ ماہ شدید بادوباراں کے درمیان ڈھائی سو میل کا پہاڑی سفر بس کے ذریعے طے کرکے اردو زبان کے سلسلے میں رتناگری جانا پڑا اور وہاں گوگٹے کالج میں، جس وقت اردو اور فارسی کی ۲۰۰ نشستیں ہیں۔ کالج میں اردو ہندی اور مراٹھی کا ملا جلا مشاعرہ ہوا، دوسرا خالص اردو کا مشاعرہ عوام کی طرف سے شہر میں ہوا جس میں کافی لوگ شریک تھے ایک سرگرم اور بااثر کارکن نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہم نے پچاس برس میں پہلی بار یہ اردو کا مشاعرہ سنا ہے رتناگری اور ساونت واڑی کی طرح نہ جانے کتنے ایسے مقامات ہیں جہاں لوگوں کو اردو کا ذوق ہے۔ جہاں اردو کے لئے کام کرنے کی ضرورت ہے اور جہاں سے اردو کو طاقت اور توانائی حاصل ہو سکتی ہے۔ انجمن ترقی اردو صوبہ بمبئی کے اراکین کتنی بار رتناگری اور ساونت واڑی یا ایسے ہی دوسرے مقامات پر گئے

ہندوستان میں کوئی جگہ ایسی نہیں جہاں اردو کے پڑھنے، پھلنے اور پھولنے کے امکانات نہ ہوں، قبل اس کے کہ وہ امکانات ختم ہو جائیں ہمیں ان کی طرف بھرپور توجہ دینی چاہئے۔ وہ بنگالی زبان کے علاقے ہوں یا مراٹھی، گجراتی، تلگو، تامل یا کنڑی وغیرہ اردو ہر جگہ بھی بولی پڑھی اور لکھی جاتی ہے لیکن وہاں کے اردو والے نہیں جانتے کہ انھیں اس کی ترقی کے لئے کیا اقدامات کرنے ہیں۔

جس طرح ریاستوں کی تنظیم جدید ہوئی ہے، اسی طرح اردو کی تنظیم جدید کی بھی سخت ضرورت ہے ہم شروع سے اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ مرکزی انجمن ترقی اردو اور دوسرے ادارے اس طرف متوجہ ہوں جس طرح ملک میں ریلوں کا جال بچھا ہوا ہے اسی طرح اردو کا ایک جال پھیل جانا چاہئے۔

مرکزی انجمن ترقی اردو (ہند) کو ایک "اردو کمیشن" مقرر کرنا چاہئے جو ہندوستان کے تمام صوبوں، ان کے ضلعوں، شہروں اور قصبوں کا دورہ کرے اور ایک مفصل رپورٹ مرتب کرے۔ راقم الحروف نے ہندوستان کے لاتعداد شہروں کا دورہ کیا اور اسی نتیجے پر پہنچا ہے کہ "اردو کمیشن" کے بغیر ہم صحیح طور پر نہ اردو کا جائزہ لے سکتے ہیں اور نہ حکومت و عوام کے سامنے حقیقی واقعات و حالات پیش کر سکتے ہیں، "اردو کی تنظیم جدید" کا یہی سنگ بنیاد ہے امید ہے کہ انجمن ترقی اردو (ہند) جلد اس اہم کام کی طرف متوجہ ہوگی۔ زیادہ سے زیادہ ۶ ماہ میں کمیشن کی رپورٹ مرتب ہو جانی چاہئے۔ کام بظاہر بڑا ہے۔ اگر ایک ہی وفد پورے ملک کا دورہ کرے تو اس میں وقت بھی زیادہ صرف ہوگا اور روپیہ بھی، اس کی آسان ترین صورت یہ ہے کہ ہر صوبے میں تین آدمیوں کا ایک وفد بنا دیا جائے جو اپنے صوبے کے تمام شہروں اور قصبوں کا دورہ کرکے مکمل رپورٹ بہم پہنچائے۔ اس سلسلے میں ایک سوالنامہ مرتب کر لیا جائے اور طریقہ کار کے اصول مقرر کر لئے جائیں۔

ہماری زبان کی سالانہ قیمت ۳/- روپے ذریعہ منی آرڈر بھیجئے۔ وی پی میں ۸ آنے زیادہ خرچ آتا ہے

یہ کتابیں ملیں

اب تک ہماری زبان ۱۵ روزہ تھا، اس لئے جو کتابیں تبصرے کے لئے وصول ہوتی تھیں ان کی رسید خط کے ذریعے بھیجی جاتی تھی۔ اور تبصروں میں غیر معمولی دیر بھی ہوجاتی تھی۔

یکم دسمبر سے اخبار ہفتہ وار ہوگیا ہے آئندہ جو کتابیں آئیں گی ان کی وصولی کی اطلاع صرف اوپر کی سرخی کے نیچے دی جائے گی اور اب تبصروں میں اتنی دیر بھی نہ لگے گی۔

اب تک تقریباً چالیس سے زائد ایسی کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں جن پر تبصرہ کرنا باقی ہے ان کی رسیدیں بھیجی جا چکی ہیں پھر بھی ان کے پہنچنے کی اطلاع دو ایک اشاعتوں میں مکمل طور پر شائع کردی جائے گی اور تبصرے بھی بہت جلد ہو جائیں گے۔ (ادارہ)

فکر و فن

تصنیف: خلیل الرحمن اعظمی

ناشر: آزاد کتاب گھر دہلی۔ حجم ۲۰×۳۰/۱۶

۲۵۳ صفحے۔ کاغذ اچھا۔ قیمت ۱۰/۳ روپے

اردو شاعری کی روایات: تصنیف: شارق میرٹھی

ناشر: مرکز ادب رنگول دھیرپور، یوپی

حجم ۲۲×۱۸/۱۶ ۱۲۸ صفحے کاغذ معمولی قیمت ۲/- روپے

روداد (کل راجستھان اردو کنونشن) مرتب: مولوی احترام الدین احمد شاغل

ناشر: جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو (راجستھان) جے پور

حجم ۲۲×۱۸/۸ ۱۰۰ صفحے کاغذ اچھا قیمت ۲/- روپے

ارمغان امجد: مرتبہ: خواجہ حمید الدین شاہد

ناشر: ادارہ ادبیات اردو۔ حیدرآباد، دکن۔

حجم ۲۲×۱۸/۸ ۸۸ صفحے کاغذ معمولی قیمت ۱/۸ روپے

پن چکی

مرتبہ: سید بہاء الدین رفعت

ناشر: ادارہ ادبیات اردو، حیدرآباد دکن

حجم ۲۲×۱۸/۸ ۴۰ صفحے کاغذ معمولی قیمت ایک روپیہ

دلچسپ

ادبی سرقہ

اب تک ادبی سرقے، توارد یا ترجمے کی صورت میں ہو جاتے تھے۔ مگر معاصر ناظم رام پور نے ایک دلچسپ سرقے کی اطلاع بڑے اہتمام سے شائع کی ہے: "یہ افواہ شہر میں زور شور سے گشت کررہی ہے کہ ایک شاعر نے یوم محمود کے مشاعرے میں کسی شاعر کا مطلع پڑھ دیا جس کی وجہ سے مظلوم شاعر اپنی غزل نہ سنا سکا۔ یہ مطلع اس شاعر نے اپنی کسی صحبت میں شاعر سے چند روز پہلے سنا دیا تھا۔"

قانونی نکتہ

جناب کے ایم منشی، گورنر یوپی گجراتی کے ادیب ہیں انھوں نے رڑکی یونیورسٹی کے کونشن کے موقعے پر ریاست کے وزیر مالیات حافظ ابراہیم صاحب کو ادیبانہ مزاحیہ انداز میں مبارک باد دی۔ انھوں نے تقریر میں وزیر موصوف کے لئے تعریفی جملے کہتے کہتے کچھ سوچ میں پڑکر کہا کہ "میری سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح حافظ محمد ابراہیم کا شکریہ ادا کروں۔ دستوری گورنر کی حیثیت سے مجھے وہی بات کہنا چاہئے جو میرے وزیر مجھ سے کہلوانا چاہیں۔ اگر میں وزیر مالیات کی تعریف کرتا ہوں تو لوگ کہیں گے کہ میں اس لئے تعریف کررہا ہوں کہ وہ مجھ سے ایسا ہی کہلوانا چاہتے ہیں۔"

مستند معلومات

حکومت یوپی کے محکمہ اطلاعات نے "نیا دور" لکھنؤ کی اطلاعات میں یہ معلومات شائع کی تھیں۔

"مسولی میں چیف منسٹر یوپی نے ڈاک خانے کا افتتاح کیا اور اس تقریب کی صدارت فرمائی۔

یہ ڈاک خانہ مرحوم رفیع احمد قدوائی کی یادگار میں تعمیر کیا گیا ہے جو اپنی موت کے وقت مرکزی حکومت میں ڈاک خانوں کے وزیر تھے۔"

غالباً اس "مستند اطلاع" کے بعد یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ مرحوم آخری زمانے میں وزیر خوراک تھے۔ جس وزارت کی خوش اسلوبی کی یاد آج تک لوگوں کے دلوں میں موجود ہے۔

مراسلات

"اردو کے شاعروں اور ادیبوں سے"

مخدوم و محترم۔ آداب!

اس بار کے ہماری زبان میں آپ نے جو بصیرت افروز اداریہ لکھا ہے، وہ دہلی کے ادبی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا ہے۔

اس کے لئے میں ذاتی طور پر آپ کو مبارکباد دیتا ہوں، جب سے آپ نے انجمن کی باگ ڈور سنبھالی ہے۔ ہماری زبان کے اداریوں میں نئی زندگی اور تازگی آگئی ہے۔ جس نہج پر آپ انجمن کے کاموں کو ڈال رہے ہیں وہ نہایت صحیح اور مناسب ہے۔

ساتھ کے پرچے میں آپ کے تازہ اداریہ سے متعلق میں نے اپنے چند خیالات ظاہر کئے ہیں۔ امید ہے آپ انھیں "مراسلات" میں جگہ دے کر مجھے شکریہ کا موقع دیں گے۔

نیازمند
گوپی چند نارنگ

ہماری زبان مورخہ ۱۵ نومبر ۱۹۵۶ء کے اداریہ میں آپ نے اردو کے شاعروں اور ادیبوں کے نام جو چند باتیں لکھی ہیں وہ کافی خیال انگیز اور اہم ہیں۔ اردو ادیبوں کی جس کمزوری کی طرف آپ نے اشارہ کیا ہے وہ پچھلے آٹھ سالوں میں خطرناک حد تک بڑھ گئی ہے۔ آزادی سے پہلے ہماری زبان کے لکھنے والوں کے سامنے جو مسائل تھے، ان کی نوعیت آج کے مسائل سے مختلف تھی۔ اس وقت ہم اپنی تمام کوششوں کو ایک محاذ پر مرکوز کر کے سامراج کے خلاف جنگ لڑنا چاہتے تھے۔ یہ ایک مجبوری دور تھا جب شاعری کو بھی غور و فکر سے کہیں زیادہ امنگ اور حوصلے کی ضرورت تھی۔ لیکن آج حالت بدل گئی ہے۔ ہندوستان کی آزادی کے ساتھ ہماری زندگی نے بھی ایک کروٹ لی ہے اور پرانے مسائل کی جگہ نئے مسائل لے رہے ہیں جو مقابلتاً زیادہ مشکل اور زیادہ پیچیدہ ہیں۔ ہندوستان میں ایک غیر مذہبی حکومت قائم ہو چکی ہے۔ یہاں کے باشندوں کو آزادیٔ رائے اور آزادیٔ خیال دونوں حاصل ہیں اور انھیں بنیادوں پر ہندوستان کا نیا قانونی اور سماجی نظام قائم کیا جا رہا ہے۔ نئے ہندوستان کی تعمیر نے دوسری علاقائی زبانوں کے ادیبوں کی طرح اردو کے ادیبوں کے سامنے بھی کئی نئے سوال اور کئی نئی مشکلیں پیش کی ہیں۔ ظاہر ہے کہ ان ذمہ داریوں سے صرف وہی شاعر اور ادیب عہدہ برا ہو سکیں گے جو قومی رجحانات اور بین الاقوامی میلانات کی بصیرت رکھتے ہوں گے۔ اردو کی یہ کم بدنصیبی نہیں کہ اس کے لکھنے والوں کا ایک بڑا حصہ صرف علوم مشرقی کا تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور اپنے محدود دائرے سے باہر کی دنیا میں بہت کم جھانکتا ہے۔ دوسری طرف نئے لکھنے والوں کا ایک بڑا گروہ اس طبقہ سے تعلق رکھتا ہے جو ذہنی طور پر ایک غیر ملکی سیاست کا غلام ہے اور اس سے تجاوز کرنے کو کفر جانتا ہے۔ یہ لوگ اپنے ملک کو سمجھنے اور اپنی تہذیبی اور تمدنی قدروں کو فروغ دینے میں اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ آزادی کے بعد اس گروہ نے جو کچھ لکھا ہے اس کا بیشتر حصہ ایسا ہے جسے ادب کہہ ہی نہیں سکتے۔ مشکل تو یہ ہے کہ قوم اور ملک کے ان مجاہدوں نے آزادی کے بعد بھی وہی روش قائم رکھی ہے جو اس سے پہلے ان لوگوں نے اپنے لئے متعین کی تھی۔ آج بھی اخباروں اور رسالوں میں جو نظمیں شائع ہوتی ہیں، بہت کم ان میں ایسی ہیں جن میں نئے ہندوستان کے حوصلوں اور امنگوں کا ساتھ دینے کا رجحان پایا جاتا ہے۔ یہی حالت اردو شاعری کے مجموعوں کی ہے۔ حال ہی میں جو مجموعے منظر عام پر آئے ہیں سوائے ایک یا دو کے سب کے سب ہمارے شاعروں کی کم نظری اور بے بصری کے نوحہ خواں نظر آتے ہیں۔

سب سے اہم بات جو ہمارے شاعروں اور ادیبوں کو ذہن نشین کر لینی چاہئے یہ ہے کہ پہلے ہماری لڑائی غیر ملکی سامراج کے خلاف تھی اور اب ہمارے مطالبات اپنی حکومت سے ہیں۔ نیا ہندوستان امن و آشتی کے ایک تابناک ستارے کی طرح دنیا میں ابھر رہا ہے اپنی مجبوریوں اور کوتاہیوں کے باوجود ہم نے جو کچھ حاصل کیا ہے وہ اپنی جگہ اہم ہے۔ کوئی

ہیں ہم نے ... بعض ٹھوکریں بھی کھائی ہیں لیکن اس سے مراد یہ تو نہیں کہ "حدود دائرہ" کے ذکر میں ہم اتنا محو ہو جائیں کہ جو تقاضائے گل ہے سے لطف اندوز بھی نہ ہو سکیں۔ اپنی پستیوں اور محرومیوں کا نغمہ ہم صدیوں سے سنتے رہے ہیں، اس کی یکسانیت اور ہمواری سے ہم اکتا گئے ہیں۔ بجائے خود یہ ایک نشتر بن کے رہ گیا ہے۔ جو ہمیں جگانے کے بجائے سلاتا اور گمانے کے بجائے بہلاتا ہے۔ سوز کی اس پرانی لے کو بدل کر اب نئے ساز سے ہم آہنگ کرنا ہوگا۔ اس سلسلے میں ہمیں ڈاکٹر رادھا کرشنن کے وہ الفاظ سامنے رکھنے چاہئیں جو ساہتیہ اکاڈمی کی نمائش کا افتتاح کرتے ہوئے انھوں نے ملک بھر کے ادیبوں اور شاعروں سے کہے تھے۔

"آپ ہندستان کے ۳۶ کروڑ انسانوں کے ترجمان ہیں۔ لیکن آپ کو یہ نہ بھولنا چاہیے کہ آپ ۳۶ کروڑ ہندوستانیوں کے لئے لکھ رہے ہیں۔"

اردو کو آج ایسے باہوش شاعروں اور ادیبوں کی ضرورت ہے جو اپنے ملک کی قومی روایات سے باخبر ہوں ملک کی کوتاہیوں اور اس کی اگلی منزلوں پر نظر رکھتے ہوں اور اپنی ذاتی محرومیوں اور قومی کامیابیوں کے درمیان ایک خوشگوار توازن پیدا کر سکیں۔ اگر اردو کے شاعروں نے اس ضرورت کو جلد محسوس نہ کیا اور اپنے سوچنے کے طریقوں میں مناسب تبدیلی نہ کی تو اردو دوسری علاقائی زبانوں سے پیچھے رہ جائے گی۔ اور اس طرح ہم اپنے زوال کا خود باعث ہوں گے۔

بقیہ: جامعہ اردو

جامعہ کے امتحانات کی فیس نہایت کم ہے اور ملک کا کوئی ادارہ ایسا نہیں ہے جو اس معاملے میں اس کی ہمسری کر سکے۔ ابتدائی درجے کی فیس صرف ۲/۸ روپے۔ ادیب کی ۴/۸ روپے۔ ماہر کی ۵/۸ روپے اور ادیب کامل کی فیس صرف ۶/۸ روپے ہے۔ پھر اس کے ساتھ ساتھ لڑکیوں سے ہر امتحان کی نصف فیس لی جاتی ہے اور فرسٹ ڈویژن میں پاس ہونے والوں سے ۱۹۵۳ء تک اگلے درجے کی کوئی فیس نہیں لی جاتی تھی۔ ۱۹۵۳ء میں ایسے امیدواروں سے نصف فیس لی گئی ہے۔ ہر امیدوار سے صرف ایک مرتبہ دو روپیہ فیس اندراج لی جاتی ہے۔ نتائج اور نمبروں کی فیس بھی امسال سے صرف ۸ آنہ مقرر کی گئی ہے۔ یہی حال اسناد کا ہے۔ سند کا صرف ایک روپیہ لیا جاتا ہے۔

ملک کا شاید ہی کوئی دوسرا ادارہ ایسا ہو جو اتنی کم فیس لے کر ایسا باقاعدہ کام کرتا ہو جیسا کہ جامعہ اردو کر رہا ہے۔ اس پر بھی وہ نہ کسی سرکار کی امداد کا محتاج ہے اور نہ کسی رئیس کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے۔ اب ارادہ ہے کہ اس کی مالی حالت کو اور بھی مستحکم کیا جائے اور اس غرض سے ایک رزرو (محفوظ) فنڈ قائم کرنے کی تجاویز زیر غور ہیں اور انشاء اللہ اس سال سے اس کی ابتدا کر دی جائے گی۔

سید حامد حسین جیلانی
اسسٹنٹ رجسٹرار جامعہ اردو علی گڑھ

پرنٹر پبلشر اطہر پرویز نے نیشنل پرنٹرس کمپنی میں چھپوا کر دفتر انجمن ترقی اردو ہند سے شائع کیا۔